

تفسير احمد

سُورَةُ الْعَلَقِ
Ketabton.com

جزء - 30

سوره «العلق» کا تفسیر و ترجمہ

تصنيف: امين الدين « سعیدی - سعيد افغانى »

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ سورة العلق جزء (30)

یہ سورت مکہ میں نازل ہوئی ہے اس کی "19" آیتیں ہیں

وجه تسمیہ:

اس سورت کا نام "علق" رکھنے کی وجہ اس کی دوسری آیت ہے، اسی طرح اس سورت کو "اقراء" اور "قلم" بھی کہا جاتا ہے، کیونکہ اللہ تعالیٰ نے اپنے فرمان "اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ" ○ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ○ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ○ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ○ سے اس کا آغاز کیا ہے۔

یہ سورہ آسمان اور انسان کے درمیان تقریباً چھ صدیوں (حضرت عیسیٰ اور حضرت محمدؐ کی درمیان کا زمانہ) کے بعد پہلا رابطہ ہے اور اسی ربط سے زمین پر بڑی بڑی تبدیلیاں رونما ہوئی ہیں، اور انسان کی پیدائش کے ساتھ ہی اس میں، خصلتوں، مزاجوں، فطرت اور عادات میں ہونے والی تبدیلیاں متعین ہوتی ہیں۔

یہ بات قابل ذکر ہے کہ اس سورت کی ابتدا قرآن مجید کی پہلی نازل شدہ آیات ہیں، لیکن اس سورت کا بقیہ حصہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی قریش میں دعوت کی اشاعت اور اس دعوت کے خلاف ان کی تحریکوں کے بعد نازل ہوا۔

سورہ علق کی آیات، الفاظ اور حروف کی تعداد

یہ وہ پہلی سورت ہے جس کی پہلی پانچ آیات مکہ میں بنی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب اطہر پر نازل ہوئیں، سورہ "علق" جسے سورہ "اقراء" کے نام سے بھی جانا جاتا ہے، مکی سورتوں میں سے ایک ہے، اس سورت میں ایک (۱) رکوع، انیس (۱۹) آیتیں، تہتر (۷۳) الفاظ، ایک سو ستانوے (۱۹۷) حروف اور ایک سو پچیس (۱۲۵) نقطے ہیں۔

(قرآن کی سورتوں میں حروف کی تعداد میں علماء کی آراء مختلف ہیں، اس بحث کی تفصیل کے لیے سورہ "طور" تفسیر احمد کی طرف رجوع کریں)۔

سورہ علق اور سورہ تین میں ربط ومناسبت

سورہ تین میں انسان کی منفرد اور خوبصورت تخلیق کا حوالہ دیا گیا ہے، اور انسان کی تخلیق علق اور اس کی تخلیق کے مادہ سے بحث کی گئی ہے، یہ سورت ابدی دنیا کی حالت بھی بتاتی ہے، جو پچھلی سورت کا اعادہ کرتی ہے (آیات متبرکہ: ۵ اور ۷)۔

ملاحظہ

سورع علق کی (۱۹) انیسویں آیت میں سجدہ تلاوت ہے، آپ اسی تفسیر کی سورہ النجم میں سجدہ تلاوت کے حکم کے بارے میں تفصیلی معلومات پڑھ سکتے ہیں۔

سورہ علق کے مشتملات

مفسرین کی اکثریت کی رائے یہ ہے کہ اس سورت کے مشتملات سے یہ بات واضح ہوتی ہے کہ یہ سورت پہلی وحی ہے جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی۔

شروع میں وہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم کو پڑھنے اور تلاوت کرنے کا حکم دیتی ہے، اور پھر انسان کی تخلیق کے بعد خون کے ایک حقیر لوتھڑے کے بارے میں بات کرتی ہے، اور انسان کی تکمیل کے بعد اگلے مرحلے میں وہ خدا کے فضل و رحمت کی روشنی میں علم، دانش اور قلم سے اس کی واقفیت کے بارے میں بحث کرتی ہے، اگلے مرحلے میں، وہ ناشکرے انسان جو خدا کی تمام نعمتوں اور دی ہوئی عزت کے باوجود سرکشی اور نافرمانی کا راستہ اختیار کرتا ہے کے بارے میں بات کرتی ہے۔

آخر میں ان لوگوں کے لیے دردناک عذاب کی طرف اشارہ کرتی ہے جو لوگوں کی ہدایت اور نیک کاموں میں رکاوٹ بنتے ہیں، سجدے کے حکم اور بارگاہ الہی میں تقرب حاصل کرنے کے حکم کے ساتھ سورت کا اختتام ہوتا ہے۔

مجموعی طور پر سورہ علق کے موضوعات کا پورا خلاصہ درج ذیل نکات میں بیان کیا جاسکتا ہے

- 1- وحی کے نزول کا آغاز بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم (مہر) پر۔
- 2- وحی کے نزول کا آغاز بنی صلی اللہ علیہ وسلم کی خاتم (مہر) پر۔
- 3- بدبخت ابوجہل کا قصہ اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم کونماز پڑھنے سے منع کرنا۔

4- سورہ علق کانبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم پر اللہ تعالیٰ کے فضل اور رحمت کے بیان کے ساتھ آغاز ہوتا ہے، سورت کے شروع میں اللہ تعالیٰ ہمیں یاد دلاتا ہے کہ یہ قرآن یعنی: "ابدی معجزہ" ان پر نازل کیا ہے، جب کہ وہ "غار حرا" میں اپنے رب کی عبادت میں مشغول تھے "إِقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ إِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝۳ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵" اس کے بعد وہ اس دنیا میں انسان کی سرکشی اور طغیان پر بحث کرتی ہوئی کہتی ہے کہ جب بھی انسان کے پاس طاقت

اور دولت ہوتی ہے تو وہ خدا کے حکم کی نافرمانی کرتا ہے، اور اپنے پاس موجود نعمتوں اور دولت کی وجہ سے وہ سرکشی میں پڑ جاتا ہے، حالانکہ برعکس ان نعمتوں کے جو خدا نے اپنے فضل اور مہربانی سے اسے عطاء کی ہیں اس کا شکر ادا کرنا چاہیے، نہ کہ اس کی نعمتوں کا انکار کرے، اسی طرح یہ سورت آخرت کے انعامات کے حصول کے لیے اللہ کی طرف لوٹنے کی یاد دہانی کرواتا ہے: "كَلِمَاتٍ لِّإِنْسَانٍ لَّيْطَغَىٰ ۝۶۰
 أَنْ رَأَاهُ اسْتَغْفَىٰ ۝۶۱ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۝۶۲ "

اس کے بعد یہ سورت اس امت کے فرعون ابوجہل کا واقعہ زیر بحث لاتی ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو ڈرایا کرتا تھا، اور بتوں کی مدد و نصرت کی خاطر پیغمبر کو نماز قائم کرنے سے روکتا تھا، "أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۝۶۰ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۝۶۱" سورہ کے آخر اور اختتام پر اس بدبخت کافر کو دھمکی دی گئی ہے کہ اگر اس نے اپنی گمراہی اور سرکشی جاری رکھی تو اسے سخت سزا دی جائے گی، اور اس نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو بھی ہدایت کی کہ اس مجرم اور گنہگار کے ڈرانے اور دھمکانے پر کان نہ دھریں، "كَلَّا لَئِنْ لَّمْ يَنْتَه ۝۶۰ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝۶۱ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝۶۲ فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝۶۳ سَنَدْعُ الرِّبَابِيَّةَ ۝۶۴ كَلَّا ۝۶۵ لَا تُطِيعُهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝۶۶" جیسا کہ ہم نے ذکر کیا کہ سورہ مبارکہ قرآن پڑھنے اور سیکھنے کی دعوت سے شروع ہوتی ہے، دعا اور عبادت کی وصیت و سفارش پر ختم ہوتی ہے، تاکہ علم کو عمل کے ساتھ ملایا جائے، ابتداء اور انتہاء متواتر، منظم اور ایک جیسے رہیں۔

تاریخ اسلام میں وحی کا آغاز

عالم اسلام کے اکثر مفسرین اس بارے میں متفق الرائے ہیں کہ: سورہ علق کی ابتدائی آیات ہی پہلی نازل ہونے والی وحی ہے: "اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝۳ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵" (سورہ علق آیات: 1 تا 5)

امام احمد رحمۃ اللہ علیہ کہتے ہیں کہ عبدالرزاق اور معمر بن زہری نے عروہ سے انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے کہا: سب سے پہلے چیز جو نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل ہوئی وہ نیند میں ایک سچے خواب کی صورت میں تھی، آپ جب بھی رات کو کوئی خواب دیکھتے وہ صبح کی روشنی کی طرح سچ ثابت ہوتا، اس مرحلے کے بعد آپ نے

تنہائی پسند کی ، غار حرا میں الگ تھلک اور تنہا رہتے اور کئی راتوں تک عبادت کرتے رہتے ، اپنا زاد راہ اور توشہ تیار کر کے اس خلوت میں اپنے ساتھ لے جاتے تھے۔

اس کے بعد خدیجہؓ کے پاس آتے اور دوسری راتوں کے لیے دوبارہ اپنا زاد راہ اور توشہ لے کر جاتے ، یہاں تک کہ جب وہ غار حرا میں تھے ، حق اور سچ ان تک پہنچ گیا ، فرشتہ آپؐ کے پاس آیا اور پڑھنے کو کہا ، آپؐ نے کہا کہ مجھے پڑھنا نہیں آتا ، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے ہیں کہ: فرشتہ نے مجھے پکڑ کر سینے سے لگایا اور بھینچا ، یہاں تک میں تھک گیا ، اور بے بس تھا ، میرے اندر توانائی نہ رہی ، پھر اس نے مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو: میں نے کہا مجھے پڑھنا نہیں آتا ، اس نے دوسری بار مجھے پکڑ کر بھینچا ، یہاں تک کہ میں تھک گیا ، بے بس ہو گیا اور مجھ میں طاقت نہیں رہی ، پھر مجھے چھوڑ دیا اور کہا: پڑھو: میں نے کہا: مجھے پڑھنا نہیں آتا ، پھر اس نے مجھے تیسری بار پکڑ کر دبایا اور جھنجوڑا ، یہاں تک کہ میں تھک گیا ، بے بس ہو گیا ، اور مجھ میں توانائی نہ رہی ، پھر کہا: "اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ

الَّذِي خَلَقَ ۝۱ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝۳ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝۴ عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝۵ " (اے محمد ! پڑھو جو تم پر نازل ہوا ہے ، اس کی شروعات

کرو) پڑھ اپنے پروردگار کا نام لے کر ، جس نے (جہاں کو پیدا کیا) انسان کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ، پڑھ اور تیرا رب بڑا کریم ہے ، (آپ کے خیال سے ان عظمتوں اور احسانات کے بعد جو آپ دیکھیں گے کہ تلاوت کی تعلیم ان کے سامنے سادہ اور معمولی ہے) وہ جس نے علم سکھایا قلم سے ، (انسانوں کو بہت ساری چیزیں سکھائیں) آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم ان آیات کے ساتھ اس حالت میں گھر لوٹے کہ آپ کا جسم کانپ رہا تھا ، جب خدیجہ کے پاس پہنچے تو کہا: "زَمَلُونِي زَمَلُونِي" (مجھے ڈھانپو ، مجھے ڈھانپو) ان کو ڈھانپا گیا

یہاں تک کہ خوف دور ہو گیا ، پھر فرمایا: "يا خديجة مالي" اے خدیجہ ! مجھے کیا ہوا ہے ، خدیجہ کو آپؐ نے اس واقعہ سے آگاہ کیا ، فرمایا: "قَدْ خَشِيتُ عَلَىٰ نَفْسِي" میں درحقیقت اپنے آپ پر ڈر گیا تھا۔

خدیجہ نے کہا: کبھی نہیں ، کبھی نہیں! خوشخبری ہو آپ کو ، اللہ کی قسم ! اللہ تعالیٰ آپ کو کبھی ذلیل نہیں کرے گا ، کیونکہ آپ رشتہ داری کا خیال رکھتے ہیں ، اور صلہ رحمی بھی بجالاتے ہیں ، آپ سچے ہیں اور سچ بولتے ہیں ، آپ درد مندوں کی داد رسی کرتے ہیں ، اور محتاجوں کی مدد کرتے

ہیں، مہمان نوازی کرتے ہیں، اور خدا تعالیٰ کی طرف سے آئی ہوئی آفات اور حوادث کے موقع پر آپ دوسروں کے مددگار بن جاتے ہیں۔ پھر خدیجہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو ورقہ بن نوفل بن اسد بن عبد العزی بن قصی کے پاس لے گئیں۔

ورقہ خدیجہ کے چچا کا بیٹا تھا، زمانہ جاہلیت میں عیسائی ہو گیا تھا، انجیل کی کتابوں کو عبرانی زبان سے عربی میں منتقل کرتا تھا، بوڑھا اور اندھا ہو گیا تھا، خدیجہ نے اس سے کہا: اے چچا کے بیٹے، اپنے بھائی کے بیٹے کی باتیں سنو، ورقہ نے کہا: اے چچا زاد بھائی تم کیا دیکھتے ہو؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جو کچھ دیکھا اسے بیان کیا، ورقہ نے کہا: یہ وہی راز دار تھے جسے جبرئیل کہتے ہیں، جو موسیٰ علیہ السلام کے پاس آیا کرتے تھے، کاش میں اس وقت جواں ہوتا، کاش میں اس وقت زندہ ہوتا جب آپ کی قوم آپ کو نکالے گی، آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "أَوْخَرَجِي هُمْ؟" (کیا وہ مجھے نکالیں گے؟) ورقہ نے کہا کہ: ہاں! کوئی آدمی کبھی ایسی چیز نہیں لایا جو تم اپنے ساتھ لائے ہو، سوائے اس کے کہ اس سے دشمنی ہوگی گئی ہے، اگر میں زندہ رہا تو آپ کی بھرپور مدد کروں گا، لیکن کچھ عرصہ نہیں گذرا تھا کہ ورقہ وفات پا گئے.... الخ یہ روایت صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں زہری سے منقول ہے۔

آیت: "اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ..." دراصل نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کا آغاز تھا، علامہ مبارکپوری کتاب "الرحیق المختوم" میں لکھتے ہیں کہ: مختلف قرائن، شواہد اور دلائل کو جانچ کر ہم 21 رمضان المبارک بروز پیر کی شام بہ مطابق سنہ 10 عیسوی کو نبی صلی اللہ علیہ وسلم کی یوم ولادت کا متعین کر سکتے ہیں، کہ اس وقت ٹھیک چالیس قمری سال، چھ ماہ اور بارہ دن آپ کی باعزت زندگی گذر چکی تھی، جو کہ 39 شمسی سال اور 2 ماہ اور بیس دن کے برابر ہے۔

اسی طرح وہ آگے لکھتے ہیں: سیرت نگاروں میں نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر خدا کی طرف نبوت اور وحی بھیجنے کے پہلے مہینے کے تعین کے بارے میں بہت زیادہ اختلاف پایا جاتا ہے، بہت سے سیرت نگاروں کی رائی ہے کہ یہ ربیع الاول کا مہینہ تھا، ان میں سے ایک اور گروہ کا خیال ہے کہ یہ رمضان کا مہینہ تھا۔

بعض نے یہ بھی کہا ہے: یہ رجب کا مہینہ تھا، ہم نے ترجیح دی ہے کہ یہ رمضان کا مہینہ تھا، اور یہ اس آیت شریفہ کی وجہ سے ہے: "شَهْرُ رَمَضَانَ الَّذِي أُنزِلَ فِيهِ الْقُرْآنُ" اور دوسری آیت مبارکہ فرماتی ہے: "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْقَدْرِ" ○

" کہ شب قدر رمضان کے مہینے میں ہی ہے، اور شب قدر وہی رات ہے جس کے بارے میں اللہ تعالیٰ سورہ دخان آیت: 3 میں فرماتا ہے، "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْمُبْرَكَةِ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ" (سورہ الدخان: 3)۔

نیز اس دلیل کی بنیاد پر کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم غار حرا میں رمضان میں قیام فرمایا، اور جبرئیل علیہ السلام کے نزول کا واقعہ بھی اسی مہینے میں پیش آیا، جیسا کہ سب جانتے ہیں، جو لوگ یہ کہتے ہیں کہ رمضان کے مہینے میں وحی کانزول ہوا ہے، وہ بھی اس دن کے صحیح تعیین کے بارے میں ایک دوسرے سے اختلاف کرتے ہیں، اس سلسلے میں مختلف روایات موجود ہیں بعض نے ساتواں دن کہا، بعض سترھویں اور بعض نے اٹھارواں کہا ہے۔ ابن اسحاق اور بعض دوسرے سیرت نگاروں کا خیال ہے کہ یہ دن 17 رمضان کا دن تھا، تاہم، ہم نے ترجیح دی ہے کہ یہ 21 واں دن تھا، اس دلیل کے بنیاد پر کہ تمام سیرت نگار یا ان میں سے اکثر اس بات پر متفق ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم پیر کے دن مبعوث ہوئے، جیسا کہ خود آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ: "فیہ ولدت و فیہ انزل علی" اور دوسری روایت میں ہے: "ذاک یوم ولدت فیہ و یوم بعثت و انزل علی فیہ (صحیح مسلم، جلد 1، صفحہ 368؛ مسند احمد، جلد 5، صفحہ 297، 299؛ بیہقی، جلد 4، صفحہ 286، 300؛ حاکم نیشابوری، جلد 2، صفحہ 62) " وہ رمضان کا مہینہ پیر کا دن ساتویں تاریخ تھی، اسی طرح چودھواں، اکیسواں اور اٹھائیسواں بھی موافق آتا ہے، صحیح احادیث کے مفہوم کے مطابق شب قدر رمضان المبارک کے آخری عشرے میں ایک رات ہے۔

اگر اس آیت کریمہ میں جو مذکور ہے کہ: "إِنَّا أَنْزَلْنَاهُ فِي لَيْلَةِ الْمُبْرَكَةِ إِنَّا كُنَّا مُنذِرِينَ" ابوقتادہ کی روایت کہ: آنحضرت کی بعثت پیر کے دن ہوئی تھی، ایک ساتھ جمع کر لیں، اسی طرح تقابلی کلینڈر کے مطابق جو اس سال رمضان کے دنوں کے ساتھ پیر کی مطابقت کا تعین کرتا ہے، ہمارے لیے یہ بات یقینی ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت 21 رمضان المبارک کی رات کو تھی۔

سورت کے عمومی اور بنیادی مقاصد

- 1 - انسان کی توجہ اللہ کی طرف ہو، جو رب، خالق، عزت والا، سکھانے والا اور جہالت کے پردے ہٹانے والا ہے۔
- 2 - انسان کی توجہ اس بات کی طرف ہو کہ اللہ تعالیٰ نے اسے خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا ہے، اور وہ رب العزت کی ربوبیت کے ماتحت ہے،

- اور علم و معرفت کا علمبردار ہے ، اور جب وہ خود کو حاجتمند نہ سمجھے اور بے پروا پائے تو فساد اور سرکشی کرتا ہے ۔
- 3-** اس بات پر توجہ دینا کہ ہرچیز اللہ کی طرف لوٹتی ہے ، ہرچیز کی ابتدا اور تکمیل اسی کے ہاتھ میں ہے۔
- 4-** انسان کو اس کے فرائض سے آگاہ کرنا کہ اس کی تلاوت بلکہ اس کے تمام اعمال بھی خدا کے نام اور ہدایت کی راہ میں ہوں، اور تقویٰ کا حکم دے، حق کے ساتھ جنگ نہ کرے اور اس سے منہ نہ پھیرے اور جان لے کہ خدا اسے دیکھ رہا ہے، (اور وہ خدا کے محضر اور سامنے ہے)۔
- 5-** اور اس بات کی طرف توجہ دلانا کہ خدا چاہتا ہے کہ ہم ظالموں اور فاسقوں کی پیروی نہ کریں، اور خدا کے بندے اسی کے مطیع ہوں، اور اس کے قریب ہونا چاہتے ہوں۔

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ سورة العلق

اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝ خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝ اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝ الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝
عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝ كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيْطَغٍ ۝ أَنْ رَأَاهُ اسْتَغْفِي ۝ إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۝
أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۝ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۝ أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ۝ أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ۝ أَرَأَيْتَ إِنْ
كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝ كَلَّا يَعْلَمُ بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۝ كَلَّا لَئِنْ لَمْ يَنْتَهِ ۝ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝ نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ
خَاطِئَةٍ ۝ فليدع نادية ۝ سندع الزبانية ۝ كَلَّا ۝ لَا تَطَّعُهُ وَاسْجُدْ وَاقْتَرِبْ ۝

سورت کا ترجمہ

بِسْمِ اللَّهِ الرَّحْمَنِ الرَّحِيمِ	شروع کرتا ہوں اللہ کے نام سے جو بڑا مہربان نہایت رحم والا ہے
اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝	اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا
خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝	اس نے انسان کو ایک جمے ہوئے خون سے پیدا کیا
اقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ۝	پڑھ اور تیرا رب سب سے زیادہ کرم والا ہے
الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ۝	وہ خدا جس نے قلم کے ساتھ (انسان کو کچھ چیزیں) سکھایا
عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَا لَمْ يَعْلَمْ ۝	اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا
كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيْطَغٍ ۝	ہرگز نہیں، بیشک انسان یقیناً حد سے نکل جاتا ہے
أَنْ رَأَاهُ اسْتَغْفِي ۝	اس لیے کہ وہ خود کو دیکھتا ہے کہ غنی ہو گیا ہے
إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۝	یقیناً تیرے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے
أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۝	کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے
عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۝	ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے (ایسا روکنے والا عذاب الہی کا مستحق نہیں ہے؟)
أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَى الْهُدَىٰ ۝	کیا تو نے دیکھا اگر وہ ہدایت پر ہو

یا اس نے پرہیزگاری کا حکم دیا ہو	أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ۝۱۲
کیا تو نے دیکھا اگر اس (منع کرنے والا) نے جھٹلایا اور منہ موڑا	أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝۱۳
تو کیا اس نے یہ نہ جانا کہ یقیناً اللہ دیکھ رہا ہے	أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۝۱۴
ہرگز نہیں، یقیناً اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اسے پیشانے کے بالوں سے گھسیٹیں گے	كَلَّا لِنَلَسِّنَّ لَمَّ يَتْنَهُ ۝۱۵ لَنَسْفَعًا بِالنَّاصِيَةِ ۝۱۵
یعنی اس جھوٹی خطا کار پیشانی کے بال	نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝۱۶
پس وہ اپنے یاروں کی مجلس کو بلالے	فَلْيَدْعُ نَادِيَهُ ۝۱۷
ہم عنقریب جہنم کے فرشتوں کو بلالیں گے	سَنَدْعُ الزَّبَانِيَةَ ۝۱۸
ہرگز نہیں، اس کا کہنا مت مان اور سجدہ کر اور بہت قریب ہو جا	كَلَّا ۝ لَا تَطَعُهُ ۝ أَسْجُدْ ۝ وَاقْتَرِبْ ۝۱۹

سورت کی تفسیر

محترم قارئین:

آیات مبارکہ "1 تا 5" تک انسانی تخلیق کی حکمت اور اسے لکھنا پڑھنا سکھانے جیسے موضوعات کے بارے میں بحث کی گئی ہے۔

اپنے رب کے نام سے پڑھ جس نے پیدا کیا	اقْرَأْ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ ۝۱
--------------------------------------	---

یہ اللہ تعالیٰ کا نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلا خطاب ہے، اور اس میں پڑھنے لکھنے اور علم حاصل کرنے کی طرف بلانا بھی شامل ہے، کیونکہ یہی اسلام کا نصب العین ہے، اسلام کی امتیازی صفات میں سے ایک یہ بھی ہے کہ اس نے اپنی دعوت کا آغاز پڑھنے، علم اور قلم سے کیا، یعنی اے محمد! (اپنے رب کا نام لے کر پڑھ جس نے پیدا کیا)، (اے محمد! جو کچھ آپ پر نازل کیا گیا ہے اسے پڑھو) اور اپنے رب کا نام لے کر پڑھ جس نے (سارے جہاں) کو پیدا کیا ہے، پڑھ کیونکہ پڑھنے سے علم اور معرفت حاصل ہوتی ہے، اور رب کی عبادت کی توفیق نصیب ہوتی، اور اللہ کے نام سے برکتیں اور کامیابیاں ملتی ہیں۔

کتنی خوبصورت بات ہے کہ اسلام کے مقدس دین کے پہلے آسمانی حکم میں ہمیں اس خصوصیت کے ساتھ ثقافتی حکم ملتا ہے، اس لوح اور تختی کا پڑھنا

جو پہلی بار بنی صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے کھولی گئی، جو کہ باقاعدہ لکھی ہوئی تھی۔

اسی طرح "اقرأ" کے حکم میں یہ اہم نکتہ ہے کہ جو کچھ تجھ پر نازل کیا جائے گا وہ پڑھنے کا بھی ہے نہ کہ صرف سمجھنے کا، اس کے نام پر پڑھ جس نے آپ کی مصلحتوں اور منفعاتوں کا خیال رکھا، یہ تعبیر زیادہ الفت اور محبت پر دلالت کرتی ہے اور اطاعت کے لیے زیادہ رغبت دیتی ہے۔ اسی طرح "اقرأ" کے حکم میں یہ اہم نکتہ بھی ہے کہ جو کچھ آپ پر نازل کیا جائے گا وہ صرف پڑھنے کا نہیں سمجھنے کا بھی ہے۔

جی ہاں! پڑھ اس کے نام پر جس نے تجھے پیدا کیا، تو اللہ سبحانہ و تعالیٰ اپنے آپ کو اس صفت کے ساتھ ہمارے سامنے بیان کرتا ہے تاکہ ہمیں تخلیق کی نعمت یاد دلائی جائے، کیونکہ تخلیق کی نعمت سب سے بڑی اور پہلی نعمت ہے۔

یعنی: اے پیغمبر پڑھ خدا کے نام سے جس نے تجھے پیدا کیا، اگرچہ اس سے پہلے آپ نہ پڑھنا جانتے تھے اور نہ لکھنا، کیونکہ کائنات کو بنانے والی ذات اس پر بھی قادر ہے کہ آپ میں پڑھنے کی صلاحیت پیدا کر دے۔

"الذی خلق" یہاں صفت تخلیق ذکر کرنے کی حکمت شاید یہ ہو کہ جس طرح مخلوقات پر تخلیق کا انعام اور احسان ہوا ہے، تو گویا اسے سب سے پہلا تحفہ اور انعام یہی دیا گیا ہے، یہاں خلق کا "مفعول" یعنی جو چیز تخلیق کی گئی ہے اس کا ذکر نہیں کیا گیا ہے، بلکہ اس کی طرف اشارہ کیا گیا ہے کہ تمام کائنات اس کی تخلیق ہے۔

اللہ تعالیٰ اس مبارک سورت کا آغاز "اقرأ" (پڑھنے) سے کرتا ہے، لیکن قرآن کا ذکر نہیں کرتا، علماء کے نزدیک اس آیت میں لفظ قرآن کا ذکر نہ کرنے کی مندرجہ ذیل دو وجوہات ہیں:

- 1- آیت کا عمومی معنی قرآن ہے، انداز بیان کے اسلوب کے مطابق ہر وہ چیز جو واضح ہو اس کا نام نہیں لیا جاتا۔
- 2- یہ علم جو "اقرأ" سے شروع ہوتا ہے، اس میں ہر دینی علم بہ شمول حدیث، فقہ اور تمام عصری علوم مراد ہیں۔

پڑھو اپنے رب کے نام سے! اللہ تعالیٰ اپنے پیغمبر کو حکم دیتا ہے کہ اپنے پڑھنے کی ابتداء بخشنے والے مہربان رب کے نام سے کرے، اللہ تعالیٰ انسان کے جسم اور روح دونوں کو بڑھا تا ہے، (رَبِّكَ کا لفظ دو لفظوں "خَلَقَ" اور "اقرأ" کے درمیان آیا ہے) "اقرأ بِاسْمِ رَبِّكَ الَّذِي خَلَقَ"۔

اس نے انسان کو ایک جمے ہوئے خون سے پیدا کیا

خَلَقَ الْإِنْسَانَ مِنْ عَلَقٍ ۝۲

پھر دوسری مخلوقات کی تخلیق کے زمرے میں خاص طور پر انسان کی تخلیق کا ذکر کیا اور فرمایا کہ : اس نے انسان کو ایک جمے ہوئے سخت خون سے پیدا کیا، اور اس کے لیے منصوبہ بندی کی اسے چاہیے کہ امر اور نہی کرے، اور یہ امر ونہی انبیاء کے بھیجنے اور کتابیں نازل کرنے سے ہوتا ہے۔

"خَلَقَ الْإِنْسَانَ" انسان کو آدم کی نسل سے پیدا کیا، انسانی تخلیق کی خصوصیت ، خدا کی خاصیت ہے، اس نے انسان کو ایک چھوٹے اور بے وقعت نطفے سے پیدا کیا ہے، آدم کو مٹی سے، انسان اور نسل انسان کو جمے ہوئے خون سے۔

"مِنْ عَلَقٍ" جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، یہ اسم جمع ہے، اس کا واحد "علقہ" ہے، جو گاڑھے اور جمے ہوئے خون کا وہ ٹکڑا جو نطفے میں چالیس دن گزارنے اور نشو و نما کے بعد "علقہ" میں بدل جاتا ہے، جو بچہ دانی کے جہلی پر چپک جاتا ہے، اور پھر چالیس دن کا دوسرا مرحلہ اس پر گزرتا ہے جو تیار ہو کر "مضغہ" بن جاتا ہے، رب کی مرضی اس کی تخلیق میں کار فرما ہوتی ہے کہ، یا تو اسے پیدا کرتا ہے، یا گوشت کے ٹکڑے کی صورت میں اسے رحم سے ساقط کر دیتا ہے، (یعنی یا تو بچہ صحیح سلامت دنیا میں آتا ہے یا پھر ساقط ہو جاتا ہے۔

معجزہ خلقت

اللہ سبحانہ و تعالیٰ نے انسانی جنس کو منفرد شکل و صورت میں خوبصورت اور دو ممتاز چیزوں سے پیدا کیا ہے:

الف: بیضہ (انڈا ابتدائی شکل میں) جنسی خلیہ والے انڈے جو ابھی تک استعمال نہیں ہوئے ہوں یعنی مرد کے خلیے سے نہیں ملے۔

ب: اسپرم (نر کا جنسی خلیہ جو خصیہ میں بنتا ہے، اور منی پر فوراً کی طرح گرتا ہے جو کہ انڈے کو مفید بنا سکتا ہے (Spermatozoa) منی یعنی مردانہ نطفے سے۔

ان لاتعداد جنسی خلیوں میں سے عورت کے رحم میں ایک خلیہ انڈیل دیا جاتا ہے، اور وہ خلیہ ایک نیا وجود بنانے کا اپنا کام پورا کرنا شروع کر دیتا ہے، پھر حمل کی ایک خاص مدت کے بعد انسان کی پیدائش ہوتی ہے "فَتَبَارَكَ اللَّهُ أَحْسَنُ الْخَالِقِينَ" یہ آیت مبارکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مخاطب ہے کہ جس

رب نے آپ کو خون کے لوتھڑے سے پیدا کیا وہ آپ کو آن پڑھ سے پڑھنے والا بھی بنا سکتا ہے یہ اس کے لیے کوئی مشکل کام نہیں ہے۔
تخلیق کا جوہر اہم مگر یہ کہ انسان کو جمے ہوئے خون سے پیدا کیا، زیادہ اہمیت کا حامل ہے، یہی وجہ ہے کہ انسان مخلوقات کے گلشن کا پھول ہے، اگر وہ اپنی قدر جان لے تو وہ فرشتوں سے بھی اوپر ہے، اگر خود کو نہ پہچانے تو جانوروں سے بھی بدتر ہے۔

پڑھ اور تیرا رب سب سے زیادہ کرم والا ہے	إِقْرَأْ وَرَبُّكَ الْأَكْرَمُ ﴿۳۷﴾
---	-------------------------------------

اس کا فضل اور مہربانی بہت زیادہ ہے، اور اس کی عظمت اور مہربانی یہ ہے کہ اس نے انسان کو ہر قسم کا علم سکھایا ہے۔

وہ خدا جس نے قلم کے ساتھ (انسان کو کچھ چیزیں) سکھایا	الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ ﴿۴۰﴾
--	----------------------------------

یہ اس کا فضل و کرم اور بے انتہا عنایت کی علامت ہے کہ انسان کو خون کے لوتھڑے سے انسانی شکل دی، اور اسے پڑھنا، لکھنا سکھایا، انسان کائنات میں وہ واحد ہستی ہے جو پڑھنے کے ذریعہ دوسروں کا پیغام سمجھتا ہے اور اسے لکھ کر محفوظ کرتا ہے، اور آنے والی نسلوں تک منتقل کرتا ہے، اس ترتیب سے وہ اپنے پیشروؤں کے تجربات سے مستفید ہوتا ہے۔
شیخ قرطبی نے کہا ہے کہ: اللہ تعالیٰ ہمیں علم اور تحریر کی فضیلت یاد دلاتا ہے، کیونکہ اس علم کے بڑے فائدے ہیں جو انسان کے احاطہ و اختیار سے باہر ہیں، اگر تحریر نہ ہوتی تو علم مرتب نہ ہوتے، نہ حکمتیں محفوظ ہوتیں، نہ پیشروؤں اور خدا کی نازل کردہ کتابوں کو قلمبند اور محفوظ کیا جا سکتا، اور اگر کتابت اور تحریر نہ ہوتی تو دنیا اور دین کے معاملات منظم نہ ہویاتے (تفسیر قرطبی: 19-120)۔

آیت مبارکہ سے کئی باتیں معلوم کی جاسکتی ہیں "قرآن"، "علم" اور "قلم" انسان کی دیگر مخلوقات پر برتری کی علامتیں ہیں، اس آیت مبارکہ کے تناظر میں "عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" سے ہمیں معلوم ہوا کہ قلم کا استعمال جہالت سے آزادی کا ذریعہ اور اللہ کی مہربانی اور ربوبیت کا مظہر ہے، اور لکھنا ایک مطلوبہ فن ہے، اور اس کی ترغیب اسلام نے دی ہے، اسی طرح "عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" کے جملے میں ہم واضح طور سمجھتے ہیں کہ رب عظیم اپنے کام اسباب کے ذریعے انجام دیتا ہے۔

قلم سکھانے کا پہلا اور سب سے اہم ذریعہ ہے

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ایک حدیث میں ہے، کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "لما خلق الله الخلق كتب في كتابه فهو عنده فوق العرش ان رحمتي غلبت غضبي" یعنی: جب اللہ تعالیٰ نے ازل میں مخلوق کو پیدا کیا تو اس نے عرش پر اس کے سامنے رکھی ہوئی کتاب میں لکھا: "میری رحمت میرے غضب پر غالب ہے" ایک اور حدیث ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "اول ما خلق الله القلم فقال له اكتب فكتب ما يكون الى يوم القيامة فهو عنده في الذكر فوق عرشه" یعنی: سب سے پہلے اللہ نے قلم پیدا کیا پھر اسے کہا کہ لکھو چنانچہ قلم نے قیامت تک جو کچھ ہوناتا تھا، وہ سب لکھ دیا اور یہ تحریر عرش پر خدا کے سامنے موجود ہے، (ماخوذ: از تفسیر ابو عبد اللہ محمد بن احمد انصاری قرطبی تفسیر سورہ تین)۔

قلم کی اقسام

قلم کی اقسام کے متعلق علماء فرماتے ہیں کہ قلم کی تین قسمیں ہیں:

- 1- قلم اول: جسے اللہ تعالیٰ نے اپنے دست قدرت سے پیدا فرمایا اور اسے لکھنے کا حکم ارشاد فرمایا۔
- 2- فرشتوں کے قلم، اللہ تعالیٰ نے ان کے ہاتھوں میں دیے ہیں جن سے وہ مقادیر، واقعات اور انسان کے اعمال لکھتے ہیں۔
- 3- لوگوں کے قلم، اللہ تعالیٰ نے یہ لوگوں کے ہاتھوں میں قلم دیے، جن سے وہ اپنی باتیں اور اپنے مقاصد لکھتے ہیں، کتابت، بیان کا حصہ ہے، بیان انسان کی خصوصیات میں سے ہے۔

تفسیر کے امام مجاہد نے ابو عمرو سے نقل کیا ہے کہ خدا تعالیٰ نے تمام کائنات میں اپنی قدرت سے چار چیزیں پیدا فرمائی ہیں، ان کے علاوہ باقی کائنات کے بارے میں فرمایا: "كُنْ" یعنی: وجود میں آجاؤ تو یہ سب چیزیں وجود میں آگئیں، وہ چار چیزیں یہ ہیں: قلم، عرش، جنت عدن، اور آدم علیہ السلام۔

علماء کہتے ہیں کہ علم کتابت اور تحریر سب سے پہلے ابوالبشر حضرت آدم علیہ السلام کو سکھائی گئی، اور انہوں نے سب سے پہلے لکھنا شروع کیا۔ (کعب احبار: ابواسحاق کعب بن متی الحمیری، ایک یہودی تھا جس کا تعلق یمن کے ایک قبیلہ ذوالکیلا سے تھا، حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے دور خلافت میں تھا، جب وہ مسلمان ہوا تو اس کے پاس یہودی کتابوں میں سے بشمول (عہد عتیق، اور عہد جدید) اور گذشتہ انبیاء کے واقعات کی کافی معلومات تھیں، بہت ساری خبریں اور اقوال جنہیں عام طور پر اسرائیلیات

کہتے ہیں اسی سے منقول ہیں -
 بعض علماء کہتے ہیں: کہ لکھنے کا یہ ہنر سب سے پہلے حضرت ادریس
 کو سکھایا گیا تھا، دنیا میں سب سے پہلا کاتب بھی وہی ہے (ضحاک)۔
 بعض دوسرے علماء نے کہا ہے کہ جس نے بھی تحریر شروع کی وہ تعلیم
 اللہ کی طرف سے ہے -

عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالًا يُعَلِّمُهُ ۝	اس نے انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا
---	--

اللہ تعالیٰ نے انسان کو اپنی ماں کی کوکھ سے اس حال میں پیدا کیا کہ وہ کچھ
 نہیں جانتا تھا، اور اسے سماعت، بصارت اور حواس خمسہ اور علم کے اسباب
 عطا کیے، پھر انسان کو قرآن اور حکمت کی تعلیم دی، اور قلم کے ذریعہ بہت
 ساری چیزیں سکھائیں، وہ قلم جس سے علم اور حقوق درج کیے جاتے ہیں،
 جس خدا نے اپنے بندوں کو ایسی نعمتیں عطا کی ہیں جن کا وہ شکر ادا نہیں
 کر سکتا، پھر ان کو دولت مند بنا کر اور رزق کی فراوانی کر کے ان پر احسان
 کیا، لیکن انسان اپنی نادانی اور جہالت کی وجہ سے جب خود کو بے نیاز دیکھتا
 ہے تو سرکش ہو جاتا ہے، اور ہدایت قبول کرنے سے انکار کرتا ہے، اور وہ
 بھول جاتا ہے کہ اسے اپنے رب کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔

بلکہ بعض اوقات یہ اس مقام پر پہنچ جاتا ہے، کہ وہ ہدایت کو چھوڑ دیتا ہے
 اور دوسروں کو بھی اس کو ترک کرنے کی دعوت دیتا ہے، اس لیے نماز
 پڑھنے سے جو کہ بہترین اعمال میں سے ہے روکتا ہے۔

مفسرین نے اس آیت مبارکہ: "عَلَّمَ الْإِنْسَانَ مَالًا يُعَلِّمُهُ" کی تفسیر میں (اس نے
 انسان کو وہ سکھایا جو وہ نہیں جانتا تھا) کہا ہے کہ یہ پہلی قرآنی حقیقت ہے
 جو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قلب کو پہلے لمحے میں حاصل ہوئی،
 یہ حقیقت اور سچائی آپ کے ذہن و شعور، آپ کی زبانی، آپ کے کام اور
 انداز فکر پر زندگی بھر چھائی رہی، اور اسے ایمان کی پہلی سیڑھی
 سمجھا گیا۔

امام شمس الدین ابو عبد اللہ محمد ابن قیم جوزیہ اپنی کتاب: "زاد المعاد فی ہدی خیر
 العباد" جس میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی ہدایت اور خدا کے ذکر کا
 خلاصہ بیان کیا ہے میں کہتے ہیں: پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم تمام مخلوقات
 میں کامل ترین ہستی ہیں، آپ خدا تعالیٰ کے ذکر اور یاد میں مشغول ہوتے
 تھے، آپ کی تمام باتیں اللہ کے ذکر، یاد اور اس سے متعلق تھیں، قوم کے لیے
 اللہ کے احکام، ممانعت اور ضابطے بیان کرتے اور اللہ کے لیے ذکر
 و اذکار کرتے، اللہ کے اسماء و صفات کے بارے میں بتاتے، اسی طرح احکام

وافعال اور وعدہ وعید کا بیان، اس معبود کی تسبیح اور تقدیس اس کی یاد اور اس کا ذکر تھا، اس کی درخواست، دعاء، تمنا اور خوف خدا کی یاد تھی، آپ کی خاموشی اختیار کرنا اور دل کی یاد بھی خدا کی یاد تھی، ہر وقت ہر حالت میں آپ نے خدا کو یاد کیا، اور خدا کا ذکر کیا، کھڑے ہوتے وقت، پہلو میں بیٹھتے، گرتے، قدم رکھتے، سوار ہوتے، چڑھتے، اترتے، چلے پھرتے اور لیٹتے وقت، آپ کی سانسوں میں خدا کا ذکر جاری رہتا تھا، آپ جب بیدار ہوتے تو کہتے: "الحمد لله الذی أحيانا بعد ما أماتنا وإليه النشور" (تمام تعریفیں اس اللہ کے لیے ہیں جس نے ہمیں موت کے بعد زندگی بخشی اور اسی کی طرف ہم کو لوٹنا ہے)۔

محترم قارئین:

مبارک آیات "6 تا 19" میں نافرمان، منحرف اور بے پرواہ انسان کی بغاوتوں کے بارے میں بتایا گیا ہے۔

ہرگز نہیں، بیشک انسان یقیناً حد سے نکل جاتا ہے	كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لِرَبِّهِ لَكَاذِبٌ ۝٦
--	--

یعنی جب انسان ایمان سے خالی ہو تو دولت و ثروت اسے متکبر اور سرکش بنا دیتی ہے، اور ظلم، تجاوز، فسق، فجور اور مکرو حیلہ میں حد سے گذر جاتا ہے۔

"كَلَّا" یہ بات قابل ذکر ہے کہ لفظ "كَلَّا" مکی سورتوں میں آیا ہے، یہ مدنی سورتوں میں مذکور نہیں ہے، وہ لفظ جو کسی چیز کے انکار یا رد کرنے کے لیے استعمال ہوتا ہے وہ عربی ادب میں "ردع" (انکار) کے نام سے مشہور ہے، جب کوئی کسی مطلب کا ذکر کرے یا آپ کو کسی سے جو توقع تھی وہ پوری نہیں ہوتی تو، اس وقت لفظ "كَلَّا" استعمال ہوتا ہے۔

"كَلَّا" متعدد معنوں میں استعمال ہوتا ہے:

مخاطب کی بات غلط ہونے کی صورت میں اسے ڈانٹتے، انکار کرتے اور تنبیہ کرتے وقت کہ جب اس کی بات غلط ہو تو اس کے جواب میں کہیں گے: نہیں، ایسا نہیں ہے۔

جواب لفظ "حَقًّا" کے معنی: (جی ہاں!) جو کہ قسم کے ساتھ ہو۔
"كَلَّا" استفتاحیہ کے معنی میں ہو، اگر اس سے پہلے کوئی ایسی چیز نہ ہو جو زجر یا نفی کا تقاضا کرے۔

اس آیت میں یہ انکار اور نفی کے لیے ہے، "كَلَّا" البتہ یقین سے نہیں کیا جاسکتا کہ یہاں اس کا معنی حَقًّا ہے یا: "كَلَّا" استفتاحیہ کے معنی میں ہے۔

"لَيَطْفِي" یہ طغیان کے مادہ سے ہے، جس کا معنی ہے حد سے گذرنا، حد کو توڑنا، اور حد پر نہ رہنا، طاغی: یعنی اس نے حدود سے تجاوز کیا۔ وہ سرکش لوگ جو اب تاریک راہوں میں گم ہو چکے ہیں: وہ سمجھتے تھے کہ وہ بندوں کی جان، مال، زندگی، عقیدہ، ایمان اور آزادی پر حاکم ہیں، وہ لوگوں کو غلامی اور قید میں ڈالنے کے لیے ان سے آزادی چھین لیتے تھے، خاص طور پر ان کو اپنی فکری اور نظریاتی قید میں لاتے تھے (یعنی اپنے نظریات کا زبردستی پابند بناتے تھے)۔

آیت "6" کا سبب نزول

ابن منذر نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کا ہے: ابوجہل نے کہا: کیا محمد تمہاری آنکھوں کے سامنے اپنا سر زمین پر رکھتا ہے (یعنی سجدہ کرتا ہے)؟ انہوں نے کہا: ہاں، اس نے کہا: میں لات اور عزی کی قسم کہتا ہوں، اگر میں نے اسے ایسا کرتے دیکھتا، تو میں اس کی گردن پر سوار ہو کر اس کے چہرے کو مٹی میں رگڑتا، تو پھر یہ آیت: "كَلَّا إِنَّ الْإِنْسَانَ لَيْطْفِي" نازل ہوئی۔

امام بخاری کی حدیث نمبر (4958) میں ابن عباس رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ ابوجہل نے کہا کہ اگر میں محمد (صلی اللہ علیہ وسلم) کو کعبہ کے قریب نماز پڑھتے دیکھوں تو ان کی گردن پر سوار ہو جاؤں گا، جب یہ خبر نبی صلی اللہ علیہ وسلم تک پہنچی تو آپ نے فرمایا: اگر اس نے ایسا کرنا چاہا تو (لوفعلہ لاخذتہ الہلائکہ) تو عذاب کے فرشتے اسے پکڑ لیں گے۔

نسائی رحمہ اللہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ ابوجہل نے ایسا کرنا چاہا، لیکن میں نے دیکھا کہ وہ پلٹ کر اپنے منہ پر ہاتھ پھیر رہا تھا، کسی نے اس سے پوچھا: کیا ہوا ہے؟ کہا: میرے اور محمد کے درمیان آگ کا ایک گڑھا ہے، پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ میرے قریب آتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے۔

اس لیے کہ وہ خود کو دیکھتا ہے کہ غنی ہو گیا ہے	أَنْ رَّأَاهُ اسْتَغْنَى،
--	---------------------------

یعنی جب انسان امیر ہو جاتا ہے تو سرمست، باغی اور سرکش ہو جاتا ہے، چونکہ اس نے تقویٰ کھو دیا، ہم دیکھتے ہیں کہ وہ طعن تشنیع کرتا ہے، اور حقوق ادا نہیں کرتا ہے، ہمیں نہیں بھولنا چاہیے کہ: یہ بے نیازی صرف اللہ تعالیٰ کے لیے خاص ہے جیسا کہ اللہ نے فرمایا: "يَا أَيُّهَا النَّاسُ أَنْتُمُ الْفُقَرَاءُ إِلَى اللَّهِ"۔

وَاللَّهُ هُوَ الْغَنِيُّ الْحَمِيدُ ۝۱۵" (سورہ فاطر: 15) (اے لوگو! تم اللہ کی طرف محتاج ہو اور اللہ سب سے بے پروا، تمام تعریفوں کے لائق ہے)۔

اب اگر ان دونوں کی جگہ بدل دی جائے اور انسان اللہ کی بنسبت خود کو غریب نہ سمجھے، بلکہ خود کو امیر سمجھے تو اس کی ترقی رک جائے گی، لیکن اگر ہم خود کو اللہ کے علاوہ کسی اور کی نسبت امیر سمجھیں تو اس میں کوئی حرج نہیں، لیکن اللہ تعالیٰ کو غنی سمجھ کر ہمیں اپنی غربت کا اظہار کرنا چاہیے، اور اس اظہار پر فخر بھی کرنا چاہیے یہ فقیری ہے کہ ہمیں ایک مقام تک پہنچا دیتی ہے، لیکن کسی کے سامنے اپنی بے بسی اور غربت کا اظہار نہ کریں کہ ذلیل ہو جائیں گے، کیونکہ ہم سب انسان برابر ہیں، کسی کو کسی پر فضیلت حاصل نہیں ہے، سوائے تقویٰ کے: "لَا فَضْلَ لِعَرَبِيٍّ عَلَى عَجَبِيٍّ، وَلَا لِعَجَبِيٍّ عَلَى عَرَبِيٍّ، وَلَا أَحْمَرَ عَلَى أَسْوَدَ، وَلَا أَسْوَدَ عَلَى أَحْمَرَ، إِلَّا بِالتَّقْوَى" (کسی عربی کو کسی عجمی پر اور کسی عجمی کو کسی عربی پر سرخ کو کالے پر، اور کالے کو سرخ پر کوئی فضیلت حاصل نہیں، سوائے تقویٰ کے) (مسند احمد: 23489) و (السلسلة الصحيحة: 2700) حکم البانی۔

"إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ" (بیشک اللہ کے نزدیک تم میں سے سب سے معزز وہ ہے جو زیادہ تقویٰ والا ہو) یہ نہیں فرمایا کہ: "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ غَنِيكُمْ" کہ جس کے پاس مال زیادہ ہو اس کی قدر و منزلت اللہ کے ہاں زیادہ ہے، درحقیقت وجہ عزت مال و دولت نہیں ہے، بلکہ "إِنَّ أَكْرَمَكُمْ عِنْدَ اللَّهِ أَتْقَاكُمْ"۔

معزز قارئین:

اگر کسی شخص میں قابلیت نہ ہو لیکن مال اسے غرور میں مبتلا کر دے، جیسا کہ قارون نے کہا: "أُمَّأَوْتَيْتَهُ عَلَى عِلْمٍ عِنْدِي" (قصص: 78) یا طاقت اسے مغرور کر دے، جیسا کہ فرعون نے کہا: "أَلَيْسَ لِي مُلْكُ مِصْرَ" (زخرف: 51) (کیا میرے پاس مصر کی بادشاہت نہیں ہے)، یا علم اسے مغرور بنادے "آتَيْنَاهُ آيَاتِنَا فَانْسَلَخْنَا مِنْهَا" (اعراف: 175) (ہم اسے اپنی آیات دین (علم دیا) مگر وہ ان میں سے نکل گیا) تو یہ سب کسی کام نہیں آئیں گے۔

لیکن اگر ظرف اور قابلیت ہو، یہاں تک کہ تینوں صفات ایک آدمی میں جمع ہوں جیسے: حضرت یوسف، اور حضرت سلیمان، لیکن وہ پھر بھی مغرور نہیں ہوتا، کیونکہ سب کچھ خدا کی طرف سے سمجھتا ہے اپنی طرف سے

نہیں، چنانچہ سلیمان علیہ السلام نے کہا: "ہذا من فضل ربی" (نمل: 40) اور حضرت یوسف نے کہا: "ربّ قد آتینى من الملك و علمتني من تاویل الاحادیث" (سورہ یوسف: 101) تو یہ باتیں اور رویہ قابل تعریف ہے، اور اگر اس کے برعکس کہ انسان اللہ کی طرف نہیں بلکہ اپنی طرف دیکھے، یعنی ان صفات کو اپنی ذاتی خوبی سمجھے تو یہ قابل مذمت ہے، باغی نہ خدا کی بندگی کرنا چاہتا ہے اور نہ وہ خدا کا بندہ ہے، وہ خدا کے احکام نہیں پہچانتا، اور نہ وہ دلائل کو قبول کرتا ہے، نہ وہ ضمیر کی پکار اور نہ مظلوموں کی فریاد سنتا ہے۔

یقیناً تیرے رب ہی کی طرف لوٹنا ہے	إِنَّ إِلَىٰ رَبِّكَ الرُّجْعَىٰ ۗ
-----------------------------------	------------------------------------

بیشک اس دنیا میں آنے والے سب انسانوں کی واپسی تیرے رب کی طرف ہے، اور وہ سرکشوں، باغیوں اور نافرمانوں کو ان کے اعمال کی سزا دے گا۔ "رُجْعَىٰ" مصدر ہے رجوع کے مادہ سے، یعنی: واپس لوٹنا۔

اس کے ساتھ ساتھ یہ آیت مبارکہ انسان کو سرکشی اور بغاوت کے نتائج سے متنبہ کرتی ہے، اور اسے ڈراتی ہے اور کہتی ہے کہ: اے سرکش انسان! تو کیوں تکبر اور سرکشی کرتا ہے؟ تو بھول گیا ہے کہ واپسی بھی اور موت بھی ہے، تم بھول گئے ہو کہ ایسی صورت حال ہوگی کہ تمہاری کارکردگی اور موقف کے حوالے سے تم سے باز پرس ہوگی، ایسا دن آئے گا کہ سب اللہ کی طرف واپس جائیں گے، پس جو کچھ اللہ تعالیٰ نے تم لوگوں کو دیا ہے، ان پر غرور نہ کرو۔

یہ بات ذہن نشین رہے کہ: آیت عام ہے، اور اس میں ہر ظالم، متکبر اور سرکش شامل ہے، مفسرین لکھتے ہیں: ایک طویل مدت جب سورت کی ابتدائی آیات کے نزول کے بعد گذری تو پھر یہ آیات ابوجہل کے بارے میں نازل ہوئیں، کیونکہ ابوجہل اپنی دولت کی فراوانی کی وجہ سے باغی بن گیا تھا، اور نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ دشمنی کرتا تھا، البتہ اعتبار لفظ کے عموم کا ہے نہ کہ خاص وجہ کا، (صاوی: 336/4، اور قرطبی: 19/123)۔

کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے	أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۗ
--	-------------------------------

کیا تم اس شخص پر تعجب نہیں کرتے ہو جو بندوں کو رب کی اطاعت سے روکتا ہے؟ اور اللہ کے راستے اور خالق کی عبادت کرنے سے مخلوق کو روکتا ہے، نماز سے روکنا رب عظیم کی سب سے بڑی مخالفت اور حق سے

لڑنا ہے، ان نیکیوں سے وہ شخص منع کرتا ہے حالانکہ خود بھی ہدایت کے راستے پر نہ ہو، اور دوسروں کو اس کام کی طرف دعوت دیتا ہو جو تقویٰ کے خلاف ہو۔

آیت مبارکہ کے نزول کے اسباب

ابن جریر نے ابن عباسؓ سے روایت کیا کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل بن ہشام آیا اور آپ کو نماز پڑھنے سے منع کیا، تو اس وقت یہ آیت نازل ہوئی: "أَرَأَيْتَ الَّذِي يَنْهَىٰ ۙ عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ۙ" ○ ترجمہ: کیا تو نے اس شخص کو دیکھا جو منع کرتا ہے، ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے (کیا یہ روکنے والا عذاب الہی کا مستحق نہیں ہے؟)

کیا نماز پڑھنا جرم ہے؟ کیا نماز ادا کرنا کسی کو ضرر اور نقصان دیتا ہے؟ (بخاری: 4958) اور متن کا لفظ جامع البیان طبری ہجر: 534/24 -

(37689) (زادالمسیر ابن جوزی: 1549) -

اس آیت مبارکہ کا اشارہ ابوجہل کی طرف ہے، جو ابوالحکم سے مشہور تھا، جبکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے ابوجہل کا لقب دیا تھا، ابوجہل مکہ کے کٹر مشرکین میں سے تھا اور جیسا کہ ہم نے اوپر ذکر کیا ہے، اس نے کہا کہ میں جاکر (نعوذ باللہ) محمد کی گردن پر پاؤں رکھوں گا جب وہ نماز پڑھیں گے، اور ان کا گلا گھونٹ دوں گا، لیکن جب بھی وہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس جانا چاہتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس سے پیچھے ہٹ جاتا اور اپنے ہاتھ سے منہ ڈھانپ لیتا، جب اس سے وجہ پوچھی گئی تو اس نے کہا: میرے اور اس محمد کے درمیان آگ کا گڑھا، اور خوف تھا، اور فرشتوں کے پر بھی حائل تھے، بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: اگر وہ میرے نزدیک آتا تو فرشتے اس کے ٹکڑے ٹکڑے کر دیتے (مسلم: 2797)۔

ایک بندے کو جب وہ نماز پڑھتا ہے (ایسا روکنے والا عذاب الہی کا مستحق نہیں ہے؟)

عَبْدًا إِذَا صَلَّىٰ ○

حقیقت یہ ہے کہ: نماز اللہ تعالیٰ کی بندگی کی علامت ہے، اس بنا پر شیاطین اللہ تعالیٰ کے ان بندوں سے ڈر اور خوف رکھتے ہیں جو نماز ادا کرتے ہیں اور اس پر قائم رہتے ہیں، نہ کہ ایسے انسانوں سے جو بے حس، بے عمل، اور بے نماز ہیں۔

کیا تو نے دیکھا اگر وہ ہدایت پر ہو

أَرَأَيْتَ إِنْ كَانَ عَلَىٰ الْهُدَىٰ ○

بتاؤ کیا اگر (یہ باغی ظالم راہ راست پر ہوتا) ہدایت پر ہوتا (تو خدا کے پاس اس کا کیا مقام اور مرتبہ ہوتا)۔

یا اس نے پرہیزگاری کا حکم دیا ہو	أَوْ أَمَرَ بِالتَّقْوَىٰ ۝۱۲
----------------------------------	-------------------------------

یا یہ دوسروں کو نماز اور دیگر عبادات سے روکنے کے بجائے تقویٰ اور پرہیزگاری کا حکم دیتا، کیا یہ اس کے لیے بہتر نہیں ہوتا؟

کیا تو نے دیکھا اگر اس (منع کرنے والا) نے جھٹلایا اور منہ موڑا	أَرَأَيْتَ إِنْ كَذَّبَ وَتَوَلَّىٰ ۝۱۳
--	---

مجھے بتاؤ کہ اگر وہ قرآن اور ان تمام کتابوں اور احکام و تعلیمات کا انکار کرتا ہے جو انبیاء اپنے ساتھ لائے تھے، ایمان اور تمام اچھے اور پسندیدہ کاموں سے منہ موڑ لے تو وہ کس سزا کا مستحق ہوگا، اور اس کا حال قیامت کو کیسا ہوگا؟

یہ مبارک آیت اس عظیم مفہوم کو بیان کرتی ہے کہ یہ آیات صرف ابوجہل کے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے خلاف گھناؤنے فعل تک محدود نہیں ہیں، بلکہ ان تمام لوگوں کو شامل ہیں جو خدا کی عبادت خود بھی نہیں کرتے، اور اس کی راہ میں رکاوٹ بھی بن جاتے ہیں کہ کوئی اور اللہ کی عبادت نہ کرے۔

تو کیا اس نے یہ نہ جانا کہ یقیناً اللہ دیکھ رہا ہے	أَلَمْ يَعْلَم بِأَنَّ اللَّهَ يَرَىٰ ۝۱۴
--	---

کیا وہ نہیں جانتا کہ اللہ تعالیٰ اس کے تمام حالات کو جانتا ہے اور اس کے تمام اعمال کو دیکھتا ہے؟ یعنی وہ اس کی باتوں کو گنتا اور اس کے کردار کو لکھتا ہے، اس کے احوال سے واقف ہے، اور اپنی طرف اس کی واپسی کو مقرر اور متعین کر چکا ہے؟ -

اگر وہ عبادت میں رکاوٹ بننے اور حقیقت کے جھٹلانے اور حق سے منہ موڑنے سے باز نہیں آتا، تو ہم اسے اس کی پیشانی کے بالوں سے ضرور پکڑیں گے، اور اس کو اس کی صحیح جگہ تک لے جائیں گے، جیسا کہ ایک ذلیل اور خوار مجرم کو اس کے گریبان سے پکڑ کر گھسیٹتے ہوئے عدالت لے جاتے اور سزا دیتے ہیں۔

ہرگز نہیں، یقیناً اگر وہ باز نہ آیا تو ہم ضرور اسے پیشانے کے بالوں سے گھسیٹیں گے	كَلَّا لِنَلَسِّنَّ لَمَّا يَنْتَهَوْنَ ۝۱۵ بِالتَّاصِيَةِ ۝۱۵
--	---

کبھی بھی نہیں! (جیسا وہ سوچتا ہے ایسا نہیں ہے) حقیقت ایسی نہیں ہے، میں رب کی قسم کھا کر کہتا ہوں کہ اگر اس نے اللہ سے لڑنا اور اس کے بنی

کو اذیت دینا بند نہ کیا تو ہم اس کی پیشانی کو سختی سے پکڑیں گے ، اور سختی سے قتل کر دیں اور اس کے بعد ہم اسے جہنم کی آگ میں ذلت کے ساتھ جھونک دیں گے۔

"لَنْسَفَعًا" یہ "سَفَع" کے مادہ سے ہے، یعنی: کسی کی پیشانی کے بال پکڑ کر گھسیٹنا زمین پر یہ اس کی تذلیل کی علامت ہے، شروع میں "لام" اور آخر میں تنوین، یہ تنوین نون خفیفہ کا قائم مقام ہے، اور جمع کا صیغہ بھی ہے، اس لیے اس میں تین تاکید ہیں۔

"لَنْ لَّمْ يَنْتَه" اگر وہ ہمارے نبی محمد صلی اللہ علیہ وسلم کو ایذا پہنچانے اور ہراساں کرنے سے باز نہیں آتا، اور اس کی راہ میں رکاوٹیں ڈالنا بند نہیں کرتا۔

"لَنْسَفَعًا بِالنَّاصِيَةِ" ہم پیشانے کے بالوں سے پکڑ کر گھسیٹیں گے آگ کی طرف۔

"النَّاصِيَةِ" پیشانی کے بال، کیونکہ دماغ میں تمام تحریکی رویے کا مقام، ناصیہ یعنی ماتھے کا اکلا حصہ ہے۔

آیت مبارکہ میں غور کریں، اتمام حجت کا آخری مرحلہ ہے، دلیل کا اختتام کرنا ہے، اگر ابوجہل نے بنی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اذیت دینا بند نہیں کیا، اور نماز پڑھنے سے روکنے پر کاربند رہا، اور نافرمانی، رکاوٹوں اور ترقی کی کمی جن میں وہ غرق ہو گیا ہے ان سے دست بردار نہ ہوا تو اس کی پیشانی کے بالوں سے توہین و تحقیر کے ساتھ پکڑ کر گھسیٹیں گے اور اسے دوزخ کی آگ میں جھونک دیں گے۔

بیسویں (20) صدی کے اواخر میں انسانی دماغ کے مختلف حصوں کے افعال پر ماہرین تحقیق کے بعد اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ: مجرم لوگوں کے دماغ میں ایک خاص گوشہ ہوتا ہے جو ان کی رہنمائی جرم کی طرف کرتا ہے، دماغ کا یہ گوشہ سر کے اگلے حصے میں اور ماتھے کے بال کے نیچے واقع ہوتا ہے، جسے ناصیہ کہتے ہیں، اور اس وقت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ کیسے معلوم ہوا سوائے اس کے کہ یہ قرآن اور اللہ علیم کے کلام کے معجزات میں سے ایک ہے۔

نَاصِيَةٍ كَاذِبَةٍ خَاطِئَةٍ ۝۱۶	یعنی اس جھوٹی خطا کار پیشانی کے بال
-----------------------------------	-------------------------------------

یعنی اس کی پیشانی وہ پیشانی ہے جو اپنے قول میں جھوٹی اور عمل میں خطا کار ہے، وہ خبریں پہنچانے میں جھوٹ بولتی ہے اور احکام میں غلطی کرتی ہے؛ لہذا اس کا ارادہ فساد پر مبنی اور عقیدہ منفی ہے۔

"كَاذِبَةٌ" جھوٹ بولنے والی ۔

"خَاطِئَةٌ" خطا کار۔

"التسهیل" میں ہے کہ: ناصیۃ کو ان اوصاف "کاذبۃ" اور "خاطئة" سے متصف کرنا جائز ہے، کیونکہ جھوٹے اور خطا کار کی بھی ناصیہ ہے۔
"خاطی": وہ ہے جو جان بوجھ کر گناہ کا مرتکب ہو جائے، اور "مخطی" وہ ہے کہ بغیر قصد اور ارادے کے اس سے سرزد ہو جائے (التسهیل: 4/209)۔

فَلْيَدْعُ نَادِيَهُۥٓ ۝۱۷ پس وہ اپنے یاروں کی مجلس کو بلالے

اسے مسلمانوں کے خلاف جنگ میں مدد کے لیے اپنے دوستوں کو بلانے دیں۔
نَادِيٌّ: یہ وہ جگہ ہے جہاں لوگ بیٹھتے ہیں، خاندان اور قبیلے والے ایک ساتھ اکٹھے ہوتے ہیں۔

"نَادِيَهُ" یار اور ساتھی، وابستگان، رشتہ دار، یعنی وہ جس کی سزا یقینی ہو، اس کو چاہیے کہ مدد کے لیے اپنے یاروں اور رشتہ داروں کو بلائے اس مصیبت کو دفع کرنے میں اس کا ساتھ دیں، یہ اشارہ ابوجہل کی طرف ہے کہ وہ کہتا تھا: کہ میرے بہت سارے ساتھی اور دوست ہیں وہ میری مدد کریں گے، اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: انہیں بلالو، وہ بھی آجائیں۔

آیات "17" تا "18" کے نزول کے اسباب

ترمذی وغیرہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نماز پڑھ رہے تھے کہ ابوجہل آیا اور کہنے لگا: کیا میں نے تمہیں اس سے منع نہیں کیا تھا؟ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اسے دھمکی دی؟ تو ابوجہل نے کہا: تم اچھی طرح جانتے ہو کہ اس ملک میں زیادہ تر افراد جماعتوں قوموں اور قبیلوں کے اجتماعات کا تعلق مجھ سے ہے، تب اللہ تعالیٰ نے یہ آیات نازل فرمائی "فَلْيَدْعُ نَادِيَهُۥٓ ۝۱۷ سَنَدُّعُ الزَّبَانِيَةِ ۝۱۸"۔

"كَانَ النَّبِيُّ جِ يُصَلِّي فَجَاءَ أَبُو جَهْلٍ فَقَالَ: أَلَمْ أَنْهَكَ عَنْ هَذَا؟ أَلَمْ أَنْهَكَ عَنْ هَذَا؟ أَلَمْ أَنْهَكَ عَنْ هَذَا؟ فَأَنْزَلَ اللَّهُ: "فَلْيَدْعُ نَادِيَهُۥٓ ۝۱۷ سَنَدُّعُ الزَّبَانِيَةِ ۝۱۸" (العلق: 17-18) فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ: وَاللَّهِ لَوْ دَعَا نَادِيَهُ لَأَخَذَتْهُ زَبَانِيَةُ اللَّهِ" (ترمذی: 3349) و (السنن الكبرى نسائی: 11620) و (مسند

احمد: 2321 و 3044) و (جامع البيان طبري طهر: (538 / 24) 37685) حکم

البانی: صحیح.

سَدْعُ الزَّبَانِيَّةِ ١٨٠	ہم عنقریب جہنم کے فرشتوں کو بلالیں گے
----------------------------	---------------------------------------

ہم جلد ہی جہنم پر مقرر کیے گئے فرشتوں کو بلائیں گے، تاکہ اسے جہنم میں لے جائیں اور اس کی گھرائیوں میں پھینک دیں۔

"زَبَانِيَّةٌ" زَبْنِي کے مادہ سے ہے بمعنی محافظ، نگران اور مأمور، یہاں "زبانیه" سے مراد، سخت گیر، تند مزاج، تندخو فرشتے ہیں جو کہ جہنم کے نگران ہیں، اگر وہ ابوجہل اپنے قبیلہ اور یاروں کا نگران ہے، اور وہ اپنے قبیلہ اور یاروں کو مدد کے لیے بلائے گا، تو ہم بھی ان تندخو، سخت مزاج اور مضبوط شکنجے والے فرشتوں کو بلائیں گے کہ وہ انہیں پکڑ کر جلتی ہوئی آگ میں پھینک دیں۔

"الزَّبَانِيَّةُ" یا جہنم کے نگران کی صفات

- 1- وہ کسی پر ترس نہیں کھاتے (غلاظٌ)۔
- 2- درشت خو، سنگدل (شِدَادٌ)۔
- 3- اللہ تعالیٰ کے حکم کی نافرمانی نہیں کرتے۔
- 4- وہ بہت بڑے، مضبوط اور طاقتور ہیں۔
- 5- وہ خدا کا حکم بجالاتے ہیں۔

اس خوفناک انجام کے تصور پر روشنی ڈالنے کے بعد یہ سورت فرمانبردار مؤمن کی ہدایت پر ختم ہوتی ہے کہ وہ اپنے کام پر کار بند رہیں، اور اپنے ایمان اور طاعت پر ثابت قدم رہیں۔

آخر میں یہ کہہ سکتے ہیں کہ اس میں کوئی شک نہیں کہ خدا کی عظیم طاقت تمام سازشوں پر غالب رہتی ہے، دوسروں کی ممانعت اور رکاوٹوں کے مقابلے میں ہماری ذمہ داری یہ ہونا چاہیے کہ ہم عبادات کی ادائیگی پر مداومت کریں۔

ابوجہل کون ہے

قریش حجاز کے مشہور اور اہم عرب قبائل میں سے ایک قبیلہ تھا، مشہور اور معتبر مؤرخین نے، اسلام کے ظہور کے زمانے میں قریش کے "25" درج ذیل قبائل متعارف کرائے ہیں: 1- بنی ہاشم، 2- بنی مطلب، 3- بنی حارث، 4- بنی امیہ، 5- بنی نوفل، 6- بنی حارث بن فہر، 7- بنی اسد، 8- بنی عبدالدار، 9- بنی زہرہ، 10- بنی تیم بن مرہ، 11- بنی مخزوم، 12- بنی یقطہ، 13- بنی مرہ، 14- بنی عدی بن کعب، 15- بنی سہم، 16- بنی جُمَح،

17- بنی مالک، 18- بنی معیط، 19- بنی نزار، 20- بنی سامہ، 21- بنی ادرم، 22- بنی محارب، 23- بنی حارث بن عبداللہ، 24- بنی خزیمہ، 25- بنی بنانہ (مسعودی، مروج الذهب، جلد 1، صفحہ 277، بطون قریش).

ابوالحکم عمرو بن ہشام بن مغیرہ مخزومی، جو "ابوجہل" کے نام سے جانا جاتا ہے، قریش کے رئیسوں میں سے ایک اور مکہ کے مشہور مشرکین میں سے تھا، ولید بن مغیرہ کابھتیجا تھا، مکہ کے مشہور تاجروں اور مالداروں میں اس کا شمار ہوتا تھا۔

اس میں کوئی شک نہیں کہ: ابوجہل قبیلہ قریش سے ہے، لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے چچاؤں میں شمار نہیں ہوتا، کیونکہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا والد عبد اللہ بن عبد المطلب بنی ہاشم ہیں، چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کا تعلق بنی ہاشم کے خاندان سے تھا اور ابوجہل کا تعلق بنی مخزوم خاندان سے تھا، چنانچہ ان کا سلسلہ نسب مختلف ہے، (ابن سعد، الطبقات الکبریٰ، ترجمہ جلد: 7 صفحہ 413)۔

ابوجہل کی سب سے زیادہ دشمنی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے تھی، اور خاص طور پر ان لوگوں سے بھی جو نئے اسلام لائے تھے، آپ صلی اللہ علیہ وسلم اور مسلمانوں اور دین اسلام کے ساتھ اس کی ضد اور دشمنی اس حد تک پہنچ گئی تھی کہ اسے "ابوجہل" کہا جانے لگا، یہ ابوجہل تھا جس نے "سمیہ" عمار بن یاسر کی والدہ کو شہید کیا، اور پھر کچھ عرصہ بعد بالآخر وہ خود بھی جنگ "بدر" میں مارا گیا، اور تاریخ اسلام میں اس کا بدترین نام باقی ہے۔

ہرگز نہیں، اس کا کہنا مت مان اور سجدہ کر اور بہت قریب ہوجا

كَلَّا ۚ لَا تَطِعُهُۥ وَاَسْجُدْ وَاَقْتَرِبْ ۝۱۰۱

(ہرگز نہیں) اے محمد! حقیقت ایسی نہیں ہے جیسا کہ یہ کافر تصور کرتا ہے، بلکہ آپ کی حفاظت اور مدد کی جاتی ہے؛ لہذا نماز چھوڑنے میں اس کی پیروی نہ کرو، بلکہ سجدہ ریز ہو کر اپنے رب کا قرب حاصل کرو، تاکہ تم رب تعالیٰ کی قربت اور دوستی حاصل کرسکو، جی ہاں! بندے کی رب کے قریب ترین حالت اس وقت ہوتی ہے جب وہ سجدے میں ہوتا ہے، جیسا کہ حدیث میں ہے کہ:

"بندے کی اپنے رب کے نزدیک سب سے زیادہ محبوب حالت وہ ہے جس میں اس کی پیشانی اللہ تعالیٰ کے لیے زمین پر سجدہ ریز ہو" (رواہ مسلم)۔ زمین پر سجدہ، رب العزت کے حضور بندگی اور عبودیت کی علامت ہے، البتہ اللہ تعالیٰ کے قرب کے ذرائع میں وہ تمام کام شامل ہیں جو قرب کی نیت سے کیے جاتے ہیں، البتہ سجدہ قرب حاصل کرنے کا بہترین ذریعہ ہے، حدیث شریف میں یہ بھی آیا ہے کہ: رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: لیکن رکوع، اس میں اپنے پروردگار کی تعظیم کرو اس کے لیے جھک جاؤ،

لیکن سجدہ ، اس میں دعا کرنے کی کوشش کریں، کیونکہ سجدہ اس بات کا مستحق ہے کہ اس میں آپ کی دعائیں قبول ہوں۔

اسلام میں قلم کی اہمیت

قلم بزرگوں کا ترجمان تھا، قلم تیز (تلوار) سے بہتر تھا، اپنے جذبات اور باطنی احساسات اور تقاضوں اور احکامات کے اظہار کے لیے اور اپنی فکری ذخیرے کو حاصل کرنے اور دوسروں تک پہنچنے اور اپنے خیالات و نظریات کے اظہار کے لیے نسل آدم کو وسائل اور آلات کی ضرورت ہوتی ہے، جن میں سب سے اہم زبان اور قلم ہے، اگرچہ دوسرے طریقوں سے ایک دوسرے تک اپنا مطلب، مقصد اور پیغام کو پہنچانا ممکن ہے، جیسے اشاروں سے اور جانوروں سے ملتی جلتی آوازیں نکال کر، کہ ہم سے پہلے انسانوں نے ان طریقوں سے ہی اپنے خیالات کا تبادلہ کیا ہے، اور ایک دوسرے تک پیغام پہنچایا ہے، اسی طرح ہنسی اور رونابھی جس کا اظہار بچے اپنے والدین سے خوشی کے موقع پر ہنسی کے ذریعے، جب زبان سے کہنے کے قابل نہیں ہوتے، اور درد، غم، بھوک اور پیاس کا رونے کی صورت میں اپنے والدین اور اردگرد کے لوگوں سے اظہار کرتے ہیں۔

اور بعض اوقات خاموشی، بھوک ہڑتال، دھرنا، چہرے کے تاثرات کی تبدیلی وغیرہ انسانی خواہشات اور ضروریات کے اظہار کا ذریعہ ہوتی ہیں، لیکن اکثر اوقات زبان اور قلم کا استعمال ہوتا ہے، اور ان دو آلات میں سے قلم زیادہ اہم ہے، اس کا اثر ابدی اور پائیدار ہے، کسی دانشور نے کہا ہے کہ: "البيان بيانان: بيان اللسان وبيان الاقلام. بيان اللسان قد تدرسه اللاعوام وبيان الاقلام باق على مّر الايام" بیان کی دو قسمیں ہیں: ایک زبان کا بیان، اور دوسرا قلم کا بیان، زبان کا بیان وقت گزرنے کے ساتھ پرانا ہو جاتا ہے، اور مٹ جاتا ہے، لیکن قلم کا بیان ہمیشہ رہتا ہے۔

قرآن کریم میں ہمارے رب نے قلم اور تحریر کی اہمیت کو اس قدر واضح اور اہمیت کے ساتھ بیان کیا ہے کہ قلم اور جو کچھ وہ لکھتا ہے اس کی قسم کھائی ہے: "ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ" قلم کی قسم اور جو کچھ وہ لکھتے ہیں" (سورہ قلم: 1)

پڑھے لکھے لوگوں کے لیے یہ راز نہیں ہے کہ سب سے زیادہ مضبوط تاکید قسم کھانا ہے، اور قسم ایک اہم اور عظیم معاملہ پر کھائی جاتی ہے، قلم کی عظمت اور اہمیت اور جو کچھ وہ لکھتا ہے، یہ ہے کہ: یہ انسانی تہذیبوں کی ابتداء، علوم کے ارتقاء اور تکامل، افکار و نظریات کی بیداری، مذاہب کی تشکیل اور انسانی رہنمائی اور آگہی کا ذریعہ ہے کاغذ کے صفحے پر قلم

کی نب کی حرکت بنی نوع انسان کی تقدیر کا تعین کرتی ہے، اس لیے انسانی معاشروں کی فتح و شکست کا دار و مدار قلم کی نوک پر ہے۔
 قلم علوم و فنون کا نگہبان، منکرین کے افکار کا نگہبان، علماء کے افکار کا مضبوط ربط، بشر کے ماضی اور مستقل کے درمیان رابطے کا پُل ہے، یہاں تک کہ آسمان و زمین کا ربط بھی اسی لوح و قلم کے ذریعہ حاصل ہوا ہے، قلم ان لوگوں کو جوڑتا ہے جو وقت اور جگہ کے لحاظ سے ایک دوسرے سے الگ رہتے ہیں، قلم بنی نوع انسان کا راز اور علوم کا خزانہ، صدیوں اور زمانوں کے تجربات کا جمع کرنے والا ہے۔

اگر قرآن اس کی قسم کھاتا ہے تو یہ ہمیشہ کسی بہت بڑی اور قیمتی چیز کی قسم کھاتا ہے، اور اس چیز کو دلیل کے طور پر پیش کرتا ہے۔
 قرآن کریم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کا ایک لافانی معجزہ ہے، خدا کی طرف سے لکھا گیا ہے جو قلم کا خالق ہے، قلم اور تحریر ان قوال میں سے ہے جو نہ صرف پرانے نہیں ہوتے ہیں، بلکہ ہر آنے والے دن ان کے نئے پہلو ظاہر کر کے سامنے لاتے ہیں، قرآن میں قلم کے نام پر خدا کی قسم اس کے تقدس اور شرافت کا سب سے واضح ثبوت ہے، "ن وَالْقَلَمِ وَمَا يَسْطُرُونَ" ○
 "قلم کی قسم اور جو کچھ وہ لکھتا ہے" (سورہ قلم : 1)۔

جیسا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ پہلے رابطہ میں وہ قلم سے متعلق بات کرتا ہے: "الَّذِي عَلَّمَ بِالْقَلَمِ" ○ جس نے قلم سے لکھنا سکھایا (سورہ علق : 4) انسانی زندگی کا ایک ہم ترین واقعہ خط کا وجود میں آنا اور کاغذ یا پتھر پر قلم سے لکھنے کا ظہور تھا، جس نے تاریخی دور کو ماقبل تاریخ سے الگ کر دیا۔

بعض مفسرین نے سورہ "قلم" کی آیت "1" میں قلم کو ایسے قلم سے تعبیر کیا ہے، جس سے خدا کے عظیم فرشتے آسمانی وحی لکھتے ہیں، اور لوگوں کے اعمال نامے تحریر کرتے ہیں، جبکہ بعض دوسرے لوگوں کے نزدیک یہ آیت ایک وسیع معنی رکھتی ہے، جس میں سے یہ تفسیر اس کی ایک مثال ہے، جس طرح کہ "مَا يَسْطُرُونَ" کا وسیع مفہوم ہے، اس میں وہ سب کچھ شامل ہے جو انسانوں کی رہنمائی اور فکری، اخلاقی اور عملی اقدامات کے ذریعہ لکھا گیا ہے، اور یہ صرف آسمانی وحی یا انسانوں کے اعمال تک محدود نہیں ہے۔

بعض نے قلم سے خدا کی قسم کھانے کو اور جو کچھ وہ لکھتا ہے اسے نعمتوں میں سے ایک نعمت قرار دیا ہے، کیونکہ وہ قلم اور تحریر کی عظمت کو بات کرنے کے برابر سمجھتے ہیں، ان دونوں کی عظمت ثابت کرنے کے لیے

یہی کافی ہے کہ اللہ تعالیٰ نے انسان کی رہنمائی کلام اور قلم کی طرف کی ہے اور ان نعمتوں سے نوازا، اور ان دو نعمتوں کو استعمال کرنے کا طریقہ بھی سکھایا۔

قرآن کریم اگر قلم کی قسم کھائے، تو اس کا مطلب ہے کہ قلم انسانوں کا راز دار ہے، اور وہ علم کا خزانہ ہے، صدیوں اور زمانوں کے تجربات کو جمع کرنے والا ہے، اور یہ بہت قیمتی اور قابل احترام معاملہ ہے، قلم اور اس کے ذریعہ جو کچھ لکھا جاتا ہے وہ دراصل انسانی تہذیب کی پیدائش اور علم کی نشوونما اور افکار کی بیداری کا ذریعہ ہے، کیونکہ قلم اور تحریر خدا کی عظیم نعمتوں میں سے ہے، جس کی طرف خدا تعالیٰ نے بنی نوع انسان کی رہنمائی فرمائی ہے، اور اس کے ذریعہ آنکھوں سے پوشیدہ واقعات اور دلوں میں چھپے ہوئے معانی ضبط تحریر میں لائے جاتے ہیں۔

قلم اور تحریر کے ذریعہ انسان اپنے سامنے کوئی بھی واقعہ پیش کر سکتا ہے جو زبان و مکان کے پردے کے پیچھے ہو۔

نتیجہ

قلم تہذیب کا معمار ہے، زبان تاریخ کا علمبردار اور انسانی معاشرے کے درمیان رابطے کا پل، علوم و فنون کا محافظ ہے: "کل علم لیس فی القرطاس ضاع" کوئی بھی علم جو کاغذ پر نہیں ہے ضائع ہو کر مٹ ہو جاتا ہے۔

صدق اللہ العظیم وصدق رسولہ النبی الکریم

**Get more e-books from www.ketabton.com
Ketabton.com: The Digital Library**